محمد سعید *

منٹو کے چند غیر مدوّن خطوط

شخصیت شناسی میں خطوط کا اہم کردار ہوتا ہے۔ تحقیق میں خطوط کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ خطوط کی مدد سے مکتوب نگار کی سوانح، شخصیت اور اس کے عصر و معاصرین کے بارے میں بڑی مستند معلومات جمع کی جاسکتی ہیں۔ تحقیقی لحاظ سے وہ خطوط زیادہ راست معلومات کے حامل ہوتے ہیں جو بہترین اور بے تکلف احباب یا گہرے قلبی تعلق کے احباب و اعزہ کو لکھے گئے ہوں۔ لکھنے والا بھی اگر پر پیچ اور تہ دار شخصیت کا حامل نہ ہو تو شخصیت شناسی کی راہ اور بھی ہموار اور آسان ہو جاتی ہے۔ کم از کم جس زمانے تک ابلاغ کے جدید ذرائع میسر نہیں آئے تھے، تب تک کے خطوط کی تحقیقی اہمیت و افادیت آج بھی مسلّم ہے۔ اگرچہ پچھلی صدی میں ادیبوں نے خطوط کے طبع ہو جانے کے خوف یا شوق میں قلم سنبھال کر خط لکھنے شروع کر دیے تھے، جس سے تحقیقی نتائج مختلف ہو سکتے ہیں لیکن پھر بھی خطوط کی تحقیقی اہمیت کم نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ گرہیں ضرور کھلتی رہتی ہیں۔ اُردو خطوط نگاری کی روایت نے ضرورت کے ساتھ ساتھ فنی منزلیں بھی طے کی ہیں اور ادبی سرمائے کو بھی وسعت دی ہے۔

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء – ۱۹۵۵ء) اور ان کے بعد کے زمانے تک خطوط نگاری، ادیبوں کی ضرورت، شوق اور بعض صورتوں میں مجبوری رہی ہے۔ اس زمانے تک ہر بڑے ادیب شاعر کا یہ احساس بھی تقریباً پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے خطوط ضرور شائع ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود قلم سنبھال کر

خطوط لکھنے کے ساتھ ساتھ بے تکلف اور کھل کر لکھنے کی مثالیں بھی کثرت سے ہر ادیب شاعر کے ہاں مل جاتی ہیں جو ان کی شخصیت، سوانح اور ادبی نظریات کے کئی در وا کرتی نظر آتی ہیں۔ منٹو جیسا بے مثل حقیقت نگار، جس کی تخلیقی تحریریں بھی تکلف اور تصنع سے پاک ہوتی ہیں، ان کے خطوط پُر تکلف کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان کی ذات بھی کھلی کتاب تھی، ان کی تخلیقات میں بھی کوئی ابہام نہیں لہٰذا اُن کے خطوط بھی مبنی بر حقیقت ہیں۔ اس لحاظ سے منٹو اُردو کے اُن چند گنے چنے ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے خطوط تحقیق کے لیے زیادہ سے زیادہ خام مواد فراہم کرتے ہیں اور انکشاف ذات اور حالات و واقعات کے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر چہ ابھی تک منٹو کے بہت کم خطوط سامنے آئے ہیں مگر جو طبع ہو چکے ہیں وہ مذکورہ صدر خصوصیت اور انفرادیت کے حامل ضرور ہیں اور انھی کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے تمام خطوط خاص قدر و منزلت کے حامل ہیں۔

منٹو کے اب تک صرف ڈیڑھ سو کے قریب خطوط منظر عام پر آ سکے ہیں۔ سب سے پہلے منٹو کے خطوط کے نام سے ایک مجموعہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کے سارے خط احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء – ۲۰۰۶ء) کے نام تھے، سوائے پہلے خط کے جو اختر شیرانی کے نام ہے۔ قاسمی صاحب کا مرتب کردہ یہ مجموعہ پہلی بار ''کتاب نما، لاہور نے ۱۹۶۲ء میں نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس کے شروع میں ''مرتب کی طرف سے'' دیباچہ ہے جو صفحہ تین سے آٹھ تک ہے۔ اگلے صفحے پر منٹو کی کیمرے سے لی گئی دو تصویریں اور ان میں سے ایک کا اسکیچ بھی اسی صفحے پر ہے۔ اسی صفحے کی پشت (یعنی اگلے صفحے) پر منٹو کے احمد ندیم قاسمی کے نام مئی ۱۹۳۸ء کے خط کا عکس ہے۔ اس مجموعے کا پہلا خط اختر شیرانی (۱۹۰۵ء – ۱۹۴۸ء) کے نام ہے جو احمد ندیم قاسمی سے تعارف اور رابطے کے لیے تھا۔ آخری خط لاہور سے فروری ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا کیونکہ ان دنوں احمد ندیم قاسمی پشاور ریڈیو سے وابستہ تھے۔ منٹو کے خطوط کے اس مجموعے کی خوبصورت کتابت محمد سرور صدیقی نے کی ہے۔ آخری صفحے پر متن کے آخر میں درج ہے: ''تحریر محمد سرور صدیقی خوش نویس''۔ اس مجموعے کے کل صفحات ۲۳۰ ہیں۔ احمد ندیم قاسمی، منٹو کے خطوط کے بارے میں اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> آج سے سات برس پہلے میں نے وعدہ کیا تھا کہ منٹو کے جو خطوط میرے پاس محفوظ

ہیں انھیں کتابی صورت میں محفوظ کردوں گا۔ اس دوران میں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جس میں منٹو کے وہ تمام خطوط جمع ہوں جو اُس نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور شناساؤں کو لکھے۔ میں نے اس ضمن میں روزناموں کے مراسلاتی کالموں میں اپیل کی۔ متعدد ادبی رسالوں میں اس اپیل کو دُہرایا۔ منٹو کے دوستوں اور عزیزوں سے ملاقات کی۔ ہندوستان کے احباب کو بھی لکھا مگر مجھے ہر طرف سے حوصلہ شکن جواب ملا۔ کسی کے پاس بھی منٹو کے خطوط محفوظ نہیں تھے اور جن کے پاس تھے اُنھوں نے اس میں میرا ہاتھ بٹانے سے انکار تو نہ کیا مگر ایسے عذر پیش کر دیے جو تہذیب و تکلف کا پردہ ہٹنے سے انکارِ محض بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں میرے سامنے صرف یہی راہ رہ گئی کہ وہی خطوط مرتب کر دوں جو اس نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک صرف مجھے لکھے۔[۲]

احمد ندیم قاسمی کے نام منٹو کے خطوط کا یہ مجموعہ دوسری بار نومبر ۱۹۶۶ء میں کتاب نما، راولپنڈی سے شائع ہوا۔ یہ بھی نقوش پریس میں چھپا تھا اس کی کتابت عبدالحق نے کی تھی اور سرورق موجد نے تیار کیا تھا۔ اس دوسری اشاعت کے کوائف میں پہلے ایڈیشن کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جولائی ۱۹۶۲ء میں چھپا تھا یعنی پہلے ایڈیشن کے کوائف میں صرف سال لکھا تھا جب کہ اس دوسرے ایڈیشن میں پہلی اشاعت کا حوالہ دیتے ہوئے سالِ اشاعت کے ساتھ مہینے کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ منٹو کے خطوط کی جمع آوری اور اشاعت کی کوششوں کے بارے میں پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں جو معلومات اور جذبات احمد ندیم قاسمی نے درج کیے تھے، اس دوسرے ایڈیشن میں بھی اس حوالے سے وہی صورت حال ہے۔ اس ''طبع دوم'' کے لیے لکھے گئے مختصر دیباچے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منٹو کے خطوط کی دوسری جلد مرتب کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ میں نے پاکستان و ہند کے قریب قریب ان تمام اصحاب سے رجوع کیا جن کے پاس منٹو کے خطوط کی موجودگی کا امکان تھا مگر کہیں سے ایک خط بھی دستیاب نہ ہو سکا۔ بہرحال میں مایوس نہیں ہوں اور ارادہ ہے کہ کسی موقع پر ہندوستان جا کر منٹو کے دوستوں سے ملوں گا۔ میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ منٹو کی سی محبوب شخصیت کے خطوط کو محفوظ نہ رکھا گیا ہو۔[۳]

طبع دوم کے لیے لکھے گئے دیباچے کی محض یہی چند سطریں ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ احمد ندیم قاسمی، منٹو کے خطوط کی جمع آوری کے لیے کوشاں بھی رہے اور پُر اُمید بھی تھے۔

منٹو کے خطوط کا تیسرا ایڈیشن احمد ندیم قاسمی کی پچھترویں سالگرہ کے موقع پر ۱۹۹۱ء میں پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، لاہور سے شائع ہوا۔ اس کے شروع میں ''دیباچہ طبع سوم'' کے عنوان سے پہلے ایڈیشن ہی کے دیباچے کو دہرایا گیا ہے، صرف پہلے پیراگراف میں کچھ اضافہ ہے جس سے لگتا ہے کہ یہ اس تیسرے ایڈیشن کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ منٹو کے خطوط کی جمع آوری کے حوالے سے یہاں بھی وہی کیفیت ہے، ملاحظہ کیجیے:

> مجھے سعادت حسن منٹو کے اعلیٰ تخلیقی معیاروں کا علم تھا اور پھر ہمارے درمیان دوستی کے رشتے بھی مضبوط تھے، چنانچہ میں نے ان کے بیشتر خطوط کو محفوظ رکھا۔ منٹو کے انتقال کے بعد میں نے سوچا کہ منٹو آخر کثیر الاحباب ادیب تھا اور اس کے بیشتر احباب کے پاس ان کے خطوط یقیناً محفوظ ہوں گے چنانچہ میں نے پاکستان اور ہندوستان کے قریب قریب ہر اس شخص سے مراسلت کی جس سے منٹو کے مراسم کا مجھے علم تھا۔ میں نے اخباروں میں اعلانات چھپوائے مگر جواب حوصلہ شکن رہا۔ مایوس ہو کر میں نے منٹو کے وہ خطوط تاریخ وار مرتب کر دیے جو اس نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء کے دس برس کے دوران مجھے لکھے تھے۔ اس مجموعے کی پہلی اشاعت کے بعد البتہ منٹو کے دو تین خطوط مجھے ضرور دستیاب ہوئے جو منٹو نے شاد امرتسری، اور قتیل شفائی اور قتیل شفائی کے توسط سے مکتبۂ ''شاہراہ'' دہلی کے مالک کو لکھے تھے۔ انھیں ابتدا میں شامل کیا جا رہا ہے۔[۴]

تیسرے ایڈیشن میں محمد طفیل اور ہاجرہ مسرور کے نام بھی ایک ایک خط شامل ہے، لیکن احمد ندیم قاسمی نے اپنے دیباچے میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ نیز قتیل شفائی کے نام کا خط اس میں شامل نہیں ہے جیسا کہ احمد ندیم قاسمی نے تحریر کیا ہے۔ گویا منٹو کے انتقال سے لے کر ۱۹۹۱ء تک پورے سینتیس برس کی کوشش کے باوجود احمد ندیم قاسمی اپنے نام آنے والے منٹو کے خطوط کے علاوہ صرف دو چار خط ہی جمع کر سکے۔ قاسمی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباسات میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔ منٹو کے خطوط کی

تلاش وجستجو اور جمع آوری کی کوششیں شاید منٹو کی وفات سے لے کر زیادہ سے زیادہ ۱۹۶۶ء تک رہیں۔ ان اقتباسات سے اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ یا اس کے بعد بھی انھوں نے کوئی کوشش کی ورنہ منٹو کے احباب تک جس قدر رسائی اور ان سے خطوط نکلوانے میں جس قدر سہولت ان کو ہوسکتی تھی شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل تھی۔ منٹو چونکہ بہت بے تکلف لکھنے والے تھے، خطوط میں تو وہ اور بھی کھل کر اظہار کرتے ہوں گے اس لیے ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک تو اُن کے مکتوب الیہم یا ان کے ورثا کو ضرور تردد رہا ہو گا کہ منٹو کے خطوط شائع ہوں۔ احمد ندیم قاسمی منٹو کے حلقۂ احباب سے واقف بھی تھے اور ان میں معزز بھی تھے۔ اگر وہ ان ناموں کی نشاندہی کر دیتے تو بہتر تھا جن کے پاس منٹو کے خطوط محفوظ تو تھے لیکن وہ ٹال گئے۔ ممکن ہے بعد میں یہ راہ ہموار ہو جاتی۔

احمد ندیم قاسمی نے اس مجموعے کے تیسرے ایڈیشن کے دیباچے میں پہلی بار یہ اظہار کیا ہے کہ انھوں نے منٹو کے ''بیشتر خطوط کو محفوظ رکھا'' مطلب یہ کہ کچھ محفوظ نہیں بھی رہ سکے۔ اس کی کچھ تفصیل بھی دے دی جاتی تو بہتر تھا۔ جب قاسمی صاحب نے تیسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس وقت تک منٹو کے کچھ مزید خطوط متفرق کتب یا رسائل میں شائع ہو چکے تھے۔ یہ تعداد میں کم ہی سہی لیکن انھیں بھی شامل کر لیتے تو بہتر تھا۔

احمد ندیم قاسمی کے نام منٹو کے خطوط پر مشتمل اسی مجموعے کو ایک دوسرے مرتب، اسلم پرویز نے عنوان بدل کر اپنے نام کر لیا ہے۔ یہ مجموعہ آپ کا سعادت حسن منٹو:منٹو کے خطوط کے عنوان سے بلیک ورڈس پبلی کیشنز، بمبئی سے جنوری ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں بانوے (۹۲) خطوط تو وہی ہیں جو احمد ندیم قاسمی کے مرتبہ منٹو کے خطوط میں شامل ہیں، ان کے علاوہ پندرہ مزید خط بھی ہیں۔ یہ مجموعہ ابھی میری رسائی میں نہیں آ سکا۔ اس کے بارے میں یہ معلومات مکرمی ڈاکٹر شمس الحق عثمانی صاحب نے فراہم کی ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے نام منٹو کے خطوط کے علاوہ بھی مختلف لوگوں کے نام متفرق کتب اور رسائل میں منٹو کے تقریباً پچاس کے قریب خطوط شائع ہوئے ہیں۔ ان میں اعزہ کے نام سات خطوط کے علاوہ مولانا حامد علی خاں (۱۹۰۱ء – ۱۹۹۵ء) کے نام چودہ خط، غلام حسین مصطفٰی کے نام پانچ، ممتاز

شیریں (۱۹۲۴ء– ۱۹۷۳ء) اور حسن عباس (وفات ۱۹۵۱ء) کے نام تین تین خط، مدیران نقوش، ڈائریکٹر، آفاق اور امروز کے نام دو دو خط اور غلام عباس (۱۹۰۹ء– ۱۹۸۲ء)، نصیر انور، شاہد احمد دہلوی (۱۹۰۶ء– ۱۹۶۶ء)، مجید امجد (۱۹۱۴ء– ۱۹۷۴ء)، مہدی علی صدیقی (۱۹۰۷ء– ۲۰۰۳ء)، سلام مچھلی شہری (۱۹۲۱ء – ۱۹۷۵ء)، شاد امرتسری (۱۹۲۴ء – ۱۹۶۶ء)، ڈاکٹر محمد باقر (۱۹۱۰ء – ۱۹۹۳ء)، مختار الدین احمد آرزو (۱۹۲۴ء – ۲۰۱۰ء) اے بی حلیم، عزیز احمد (۱۹۱۴ء – ۱۹۷۸ء)، عبدالوحید، محمد عبداللہ خاں خویشگی کے نام ایک ایک خط شامل ہے۔ (بعض لوگوں کے سنین فی الوقت میسر نہیں آ سکے۔)

میں جب نوادارتِ منٹو (۲۰۰۹ء) مرتب کر رہا تھا تو منٹو کے غیر مدوّن خطوط بھی جمع کیے تھے اور انھیں نوادارتِ منٹو کا حصہ بنانے کا ارادہ تھا، بعد میں اندازہ ہوا کہ ان خطوط کا متن اور ان کا تعارف و حواشی سو، سوا سو صفحات گھیر رہے ہیں۔ لہٰذا طے کیا کہ انھیں الگ مجموعے کی صورت میں مرتب کیا جائے۔ منٹو کے نام مشاہیر کے غیر مدوّن خطوط کی بھی یہی صورت تھی، وہ بھی اسی قدر جمع ہو گئے تھے اور الگ مجموعے کے متقاضی تھے۔ فلم اور منٹو سے محبت کرنے والے پرویز انجم صاحب سے ایک ملاقات میں میں نے ان ہر دو طرح کے مجموعوں کی ترتیب کا ذکر کیا اور ان کے ماخذ بھی بتائے۔ میں پھر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں مصروف ہو گیا اور ان خطوط کی ترتیب و تکمیل کو وقت نہ دے سکا۔ اسی دوران ۲۰۱۴ء میں پرویز انجم صاحب کی کتاب منٹو نامہ سنگ میل لاہور سے شائع ہوگئی۔ اس میں منٹو کے متفرق خطوط بھی ہیں اور اُن کے نام مشاہیر کے خطوط بھی ہیں۔ منٹو نامہ کی تحقیق و ترتیب پر بات نہیں کروں گا کہ مرتب کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ منٹو اُن کی محبت ہے اور منٹو کے بارے میں تحقیق اُن کا شوق ہے؛ یہ اُن کا پروفیشن اور میدان ہرگز نہیں اس لیے وہ اس محبت اور شوق میں قارئین کو جو کچھ بھی دے سکیں اسے قابل قدر سمجھنا چاہیے۔

زیرِ نظر مضمون میں منٹو کے جو غیر مدوّن خطوط پیش کیے جا رہے ہیں یہ منٹو کے خطوط کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ منٹو سے متعلقہ کسی کتاب میں بھی شامل نہیں ہیں۔ ذیل میں ان خطوط کے بنیادی مآخذ کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

۱۔ ''بنام شاہد احمد دہلوی''، مشمولہ ماہنامہ ساقی دہلی (فروری ۱۹۴۳ء): ص ۱۸–۱۹۔

۲۔ ''بنام محمد عبداللہ خاں خویشگی''، مشمولہ بوستان قلم خطوط کا مجموعہ، حصہ اوّل، مرتب محمد عبداللہ خاں خویشگی (کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء)، ص۶۶۔

۳۔ ''بنام ایڈیٹر امروز''، مشمولہ روزنامہ امروز لاہور (۷ مارچ ۱۹۴۸ء)، ص۲۔

۴۔ ''بنام مختارالدین احمد آرزوؔ''، مشمولہ علیگ علی گڑھ، خاص نمبر (۱۰ فروری ۱۹۵۷ء)، ص۸۔

۵۔ ''بنام مدیر آفاق''، مشمولہ روزنامہ آفاق لاہور (۱۷ جولائی ۱۹۵۱ء)، ص۵۱۔

۶۔ ''بنام مدیر آفاق''، مشمولہ روزنامہ آفاق لاہور (۲۴ جولائی ۱۹۵۱ء)، ص۶۔

۷۔ ''بنام مدیر ڈائریکٹر''، مشمولہ ماہنامہ ڈائریکٹر لاہور (دسمبر ۱۹۵۲ء)، ص۳۸۔

۸۔ ''بنام مدیر ڈائریکٹر''، مشمولہ ماہنامہ ڈائریکٹر لاہور (فروری ۱۹۵۳ء)، ص۳۵۔

۹۔ ''بنام محمد حسن عسکری''، مشمولہ عسکری کے نام نودریافت خطوط، مرتبین محمد حسن مثنیٰ اور محمد حسن رابع (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص۴۷۔

ان کے علاوہ بنام ایڈیٹر روزنامہ امروز لاہور، ایک خط ایسا بھی ہے جس پر بیک وقت منٹو کا خط ہونے کا گماں بھی ہوتا ہے اور نہیں بھی۔ گویا اس کا انتساب ابھی مشتبہ ہے۔ اس کے تعین کا کوئی قرینہ ابھی ہاتھ نہیں آیا۔ ماہرین منٹو اور قارئین منٹو کی خدمت میں رائے کے لیے ذیل میں یہ خط پیش کیا جاتا ہے:

قبروں کی حفاظت

وہ عورتیں جو مشرقی پنجاب میں رہ گئی ہیں انھیں تو آپ ''اغواہ شدہ'' کہہ لیتے ہیں۔ اُن کی بازیابی کے لیے کوششیں بھی ہو رہی ہیں لیکن ان عورتوں اور مردوں کے متعلق بھی کسی نے سوچا ہے جو وہاں قبرستانوں میں دفن ہیں اور جو زندہ عزیزوں سے کہیں زیادہ ہم لوگوں کو عزیز ہیں۔ جائیداد [کذا] منقولہ اور جائیداد [کذا] غیر منقولہ کے نقل وحمل کے لیے ان دنوں اتنی تگ و دو ہو رہی ہے مگر جذبات کی اس غیر منقولہ مدفون جائیداد [کذا] کے تحفظ کے لیے اب تک کیا کچھ کیا گیا ہے؟

چند بزرگ انسانوں کی قبروں کی حفاظت تو خیر ہم چھوٹے انسانوں کی عقیدت کے زور

پر ہو جائے گی لیکن ان لاکھوں چھوٹے انسانوں کی، اُن چھوٹے چھوٹے مٹی کے ڈھیروں کا کیا ہوگا جن کے ہر ذرّے میں اُن کا گوشت پوست اور لہو منجمد ہے۔

س ح م

لاہور۔[۵]

یہ خط روز نامہ امروز کے ۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء کے شمارے میں ''ایڈیٹر کی ڈاک'' کے تحت شائع ہوا۔ '' قبروں کی حفاظت'' اس کا عنوان دیا گیا ہے اور مکتوب نگار کی جگہ ''س ح م لاہور'' چھپا ہے۔ نام کا یہ مخفف بھی واضح طور پر سعادت حسن منٹو کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور لکھنے والا لاہور سے ہے۔ منٹو کی ان دنوں امـــروز سے وابستگی بھی تھی۔ خط کی عبارت کے بعض جملے بھی منٹو کے اسلوب کی غمازی کرتے ہیں۔ یہ تو وہ اشارے ہیں جو اسے منٹو کا خط ثابت کرتے ہیں لیکن یہ بھی کہ منٹو نے شاید ہی کبھی اپنے نام کا مخفف استعمال کیا ہو، شروع کی ایک دو تحریروں میں ہی بس ملتا ہے۔ پھر یہ کہ خط میں کوئی ایسی بات نہیں کہ منٹو اصل نام کی بجائے مخفف استعمال کریں وہ تو اس سے سخت تحریریں بھی اپنے نام سے چھپواتے رہے۔ نام کے مخفف کی حد تک یہ خیال بھی گذرتا ہے کہ شاید ایڈیٹر نے ایسے کر دیا ہو۔ خط کے موضوع کو دیکھیں تو منٹو قبروں کی حفاظت کے قائل نہیں بلکہ وہ تو زندہ انسانوں کو اور ان کے مسائل کو موضوع بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ تقسیم کے بعد اغواہ شدہ عورتیں اخبارات و رسائل کا خاص موضوع رہا۔ منٹو نے اسی پس منظر میں ''مجبوس عورتیں'' کے نام سے بھی ایک مضمون لکھا۔ بڑی تلخ اور جذباتی کر دینے والی تحریر ہے جس میں حکومت اور ماہرین نفسیات کو خصوصاً کردار ادا کرنے کے لیے کہا ہے کہ ان عورتوں کے لیے ''اپنی معاشرت میں صحت افزا جگہ پیدا کی جائے'' اسی مضمون میں البتہ ان عورتوں کے لیے اخبارات میں اشتہار بازی پر منٹو معترض بھی ہیں لیکن مندرجہ بالا خط کی طرح ان زندہ عورتوں کی بجائے مُردوں کو اور قبروں کو ترجیح دینے والی بات منٹو کے ہاں نہیں ہے۔ ان حوالوں کو پیش نظر رکھیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زیر بحث خط منٹو کا نہیں ہے۔

زیر نظر مضمون میں پیش کیے جانے والے منٹو کے یہ چند غیر مدوّن خطوط کسی نہ کسی حوالے سے اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہد احمد دہلوی نے ساقی (جنوری ۱۹۴۳ء) کے شمارے میں اعلان کیا ہوگا

کہ رسالہ بند کر رہا ہوں اور ساتھ ہی ساقی کے اہم قارئین کے نام خطوط لکھ کر بھی اطلاع دی۔ اس کے ردعمل میں ادیبوں کے جو خطوط آئے وہ فروری ۱۹۴۳ء کے شمارے میں شائع ہوئے ان میں سے منٹو کے پُر خلوص خط کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اس خط میں جہاں وہ معیشت کے ٹھیکے داروں اور ذخیرہ اندوزوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں وہاں طرح طرح سے شاہد احمد دہلوی کو حوصلہ دیتے ہیں کہ بہر صورت رسالہ جاری رکھنے کی کوشش کریں۔ اس خط سے منٹو کی نظر میں اس زمانے کے ساقی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ عبداللہ خویشگی کے نام خط سرسری ہے جو اپنے بارے میں بنیادی معلومات پر مبنی ہے۔ اسی خط میں منٹو نے اپنی تصانیف کی بھی نامکمل فہرست دی ہے۔ یہ خط ممتاز شاعر لطیف ساحل صاحب نے فراہم کیا، ان کے شکریے کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر امروز کے نام خط سے منٹو کی صحافت نگاری کا پتا چلتا ہے کہ صحافتی تحریروں اور خبروں میں بھی وہ زبان و بیان کی غلطیوں کو برداشت نہیں کرتے۔ مختار الدین احمد آرزو کے نام خط میں منٹو نے خود کو ''نیم علیگی'' کہا ہے اور اپنے علی گڑھ کے زمانے کو یاد کر کے دوماہی اُردو ادب کے تیسرے شمارے کے لیے ان سے کوئی تحریر طلب کی ہے۔ منٹو اور حسن عسکری کی ادارت میں نکلنے والے اس رسالے کے صرف دو ہی شمارے شائع ہوئے تھے۔[٦] اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تیسرا شمارہ بھی مرتب ہو رہا تھا۔ اس مطبوعہ خط کی نقل خود آرزو صاحب مرحوم نے عنایت کی تھی۔ ایڈیٹر روزنامہ آفاق اور ماہنامہ ڈائریکٹر کے نام خط بھی اہم ہیں کہ ان سے مصنف، قاری اور ایڈیٹر کے تعلق اور ذمہ داریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض خطوں پر منٹو نے تاریخ درج کی ہے بعض پر نہیں ہے۔ تاریخ ندارد خطوط کی تاریخ کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح ان خطوط کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے پیش کیا جا رہا ہے۔ بعض ضروری حواشی کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ منٹو کے ایسے مزید خطوط کی تلاش بھی جاری ہے۔ اگر احباب ان کی جمع آوری میں مدد فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔ شاید اس طرح احمد ندیم قاسمی کی خواہش کی تکمیل کرنے کی بھی کوئی صورت نکل آئے اور منٹو کے سنجیدہ قارئین کی تسکین کا ذریعہ بھی پیدا ہو سکے۔

....

(۱)

بنام شاہد احمد دہلوی

[جنوری ۱۹۴۳ء]^۷

جس روز آپ کا خط ملا میں گندم کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ سارا شہر چھان مارا گندم کا ایک دانہ تک دستیاب نہ ہوا۔ کہتے ہیں باوا آدم جنت سے گندم کے دانے کی وجہ سے باہر نکالے گئے تھے۔ اب یہی گندم کے دانے باوا آدم کی اولاد کو اس دنیا سے باہر نکالیں گے۔ دیکھیے واپس جنت میں بھیجے جاتے ہیں یا کوئی نئی دنیا ان کے لیے تعمیر کی جاتی ہے۔ شاہد صاحب میں آپ سے کیا عرض کروں، زندگی بہت ہی کٹھن ہوگئی ہے۔ چاول نہیں ملتے، آٹا نہیں ملتا، دال نہیں ملتی، شکر نہیں ملتی۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو چند دنوں کے بعد کھانے کو گھاس بھی نہیں ملے گی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ کا خط ملا، جس نے وحشت ناک خبر سنائی کہ اب ساقی بھی نہیں ملے گا۔ یہ ظلم ہے، خدا کی قسم بہت بڑا ظلم ہے۔ آٹا نہیں ملتا تو چاول کھاتا ہوں، چاول نہیں ملتے تو میں بیسن کی روٹیاں پکوا لیتا ہوں، اگر بیسن نہیں ملے گا میں بھوکا رہوں گا۔ پروفیسر بھنسالی جب تریسٹھ دن بھوکا رہ سکتا ہے تو میں بھی کم از کم ایک مہینہ بھوک برداشت کرسکتا ہوں۔ مگر ساقی کا کیا ہوگا۔ ساقی نہیں ملے گا تو کیا میں مست قلندر پڑھوں گا۔ اگر ساقی کی اشاعت بند ہوگئی تو خدارا سوچیے میں اپنے مضامین کہاں چھپواؤں گا، جو مجھے لکھنے کا مرض ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں آپ کو کتابیں اور رسالے چھاپنے کا مرض لاحق ہے۔ پھر اتنی جلدی آپ نے ساقی کی اشاعت ملتوی کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔

آپ شاید بھول گئے ہیں، پریشانی میں آدمی خوفناک سے خوفناک حقیقت بھی فراموش کر دیتا ہے۔ شاہد صاحب یہ وقت کی ضرورت ہے جس کے سائے تلے بکری اور شیر ایک ہی گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ بکریاں اگر دودھ نہیں دیتیں تو شیروں کے پاس جائیے۔ کاغذ اگر عام مارکیٹ میں نہیں ملتے تو ''کالی مارکیٹ'' میں جائیے۔ تین روپے ریم کے بجائے پچاس روپے ریم دیجیے۔ آپ کو ہزاروں ٹن کاغذ مل جائے گا۔ یہاں بمبئی میں گندم کی ہزاروں بوریاں مل سکتی ہیں، اگر فی بوری پینسٹھ روپے ادا کرنے کی کسی میں ہمت ہو۔ جس قیمت پر بھی کاغذ ملے خریدیے اور ساقی جاری رکھیے۔ میں اگر آپ

کی جگہ ہوتا تو خدا کی قسم چوری کرتا، ڈاکے ڈالتا، بھیک تک مانگ لیتا لیکن ساقی کو بند نہ کرتا۔

شاہد صاحب، خدا کے لیے کچھ کیجیے اور ساقی جاری رکھیے۔ میں آپ کو ایک ترکیب بتاؤں۔ جس قیمت پر بھی کاغذ ملے خریدیے اور ساقی کے ایک پرچے کی قیمت دو روپے کر دیجیے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں لوگ بخوشی خریدیں گے۔ پہلا وی پی میرے نام ارسال کیجیے۔ میں دو مہینے شراب نہیں پیوں گا۔

خدا کے لیے کہیں سچ مچ ساقی بند نہ کر دیجیے۔

....

(۲)

بنام محمد عبداللہ خاں خویشگی

۱۷۔ اڈلفی چیمبرز کلیئر روڈ بمبئی ۸۔

جنابِ من تسلیم!

بحوالہ مکتوب گرامی نگارش ہے کہ میں گیارہ مئی سن اُنیس سو بارہ کو ''سمرالہ'' ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوا۔ جہاں میرے والد صاحب منصفی کے عہدے پر فائز تھے۔ مارشل لا کے آغاز پر ہم لوگ امرتسر آئے۔ چنانچہ یہیں میرا بچپن اور لڑکپن گذرا۔ میری تعلیم صرف انٹرنس تک ہے۔ میں نے تین دفعہ فیل ہو کر یہ امتحان پاس کیا تھا۔ کالج میں کئی دفعہ داخل ہوا، مگر طبیعت میں از حد آوارہ گردی تھی، جس کے باعث ڈگری کا کوئی امتحان پاس نہ کر سکا۔

میری تصانیف کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ منٹو کے افسانے

۲۔ دھواں — افسانوں کا دوسرا مجموعہ

۳۔ جنازے — ڈرامائی مضامین کا مجموعہ

۴۔ آؤ — ریڈیائی خاکوں کا مجموعہ

۵۔ منٹو کے ڈرامے — ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ

توجہ فرمائی کا شکریہ۔

نیاز کیش

سعادت حسن منٹو

[مہر ڈاکخانہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء][8]

....

(۳)

بنام ایڈیٹر امروز لاہور

[۶ مارچ ۱۹۴۸ء][9]

جناب من تسلیم!

امـــروز کا پہلا، دوسرا اور تیسرا شمارہ دیکھا۔ صاف ستھری اور صحت مند صحیفہ نگاری پر مبارک باد قبول کیجیے۔ خدا کرے کہ آپ اس پاکیزگی کو برقرار رکھ سکیں، جس کو برقرار رکھنا اُردو روزناموں کے لیے عموماً مشکل ہوتا ہے۔

پہلے شمارے میں جو یقیناً بڑی چھان پھٹک کے بعد مرتب کیا گیا ہو گا، چند باتیں ایسی نظر آئیں جو لطیفوں سے کم نہیں مثلاً دوسرے صفحے پر ''قیدِ سخت کی سزا'' کے عنوان کے ماتحت ایک خبر درج ہے جس میں یہ مندرج ہے:

> کہا جاتا ہے کہ گذشتہ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ملزموں نے گارڈن ٹاؤن میں ''تھری ہاؤس'' کا تالا توڑا اور گھر کا سارا فرنیچر باہر نکال لیا لیکن عین اس وقت جب کہ وہ مالِ غنیمت کو سڑک پر کھڑے ہوئے ایک ٹرک میں سوار کرا رہے تھے، پولیس نے دھاوا بولا ......

یہ ''مالِ غنیمت'' کو سڑک پر کھڑے ہوئے ٹرک میں ''سوار'' کرانے کی ایک ہی رہی۔

آپ نے بہت اچھا کیا جو ''امروز'' کی پیشانی پر سے اسکرین کی کالک دور کر دی۔ والسلام۔

سعادت حسن منٹو

مال روڈ، لاہور

....

(۴)

بنام مختار الدین احمد آرزو

[ستمبر ۱۹۵۰ء][۱۰]

اُردو اَدب لاہور

آرزؔو صاحب

السلام علیکم۔ آپ پر میرا تھوڑا سا حق ہے علیگی نہیں ہوں لیکن نیم علیگی ضرور ہوں کہ آپ کی یونی ورسٹی میں تین مہینے تعلیم حاصل کر چکا ہوں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب شاہد لطیف میرے ہم جماعت تھے اور مجاز کے وہاں بہت چرچے تھے اور علی سردار جعفری سر کے بال بڑھائے خبطی سے بنے رہتے۔ یہ خط لکھ رہا ہوں تو وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے۔ خیر آمدم برسر مطلب، بھائی جان میں یہاں دو ماہی اردو ادب کا مدیر ہوں۔ اس کا تیسرا شمارہ زیر ترتیب ہے۔ براہ کرم اس کے لیے اپنے رشحات قلم عنایت فرمائیے مگر ذرا جلدی۔

ایس ایس ایسٹ کو میرا سلام

خاکسار

سعادت حسن منٹو

....

(۵)

بنام مدیر روزنامہ آفاق لاہور

جناب مکرم!

تسلیمات! میری افسانہ نویسی ایک بہت بڑی مصیبت ہو گئی ہے۔ مگر کیا کروں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مجھے لکھنا ضرور ہے۔ آفــاق کے لیے اب ایک نہایت ہی بے ضرر قسم کا مضمون ''پری چہرہ نسیم بانو'' بھیج رہا ہوں۔

غالب مرحوم نے کہا تھا:

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟

وہ لوگ جو غالب کی طرح پری چہرہ لوگوں کو نہیں جانتے اُن کے لیے یہ مضمون یقیناً معلومات افروز ہو گا۔

خاکسار سعادت حسن منٹو

۱۱جولائی ۱۹۵۱ء

....

(۶)

بنام مدیر روز نامہ آفاق لاہور

[۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء][11]

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب

روز نامہ آفاق

جنابِ مکرم!

تسلیمات! آپ کے آفـــــاق میں ایک صاحب قاضی م بشیر محمود، ادیب فاضل کا خط اپنے مضمون بعنوان ’’پری چہرہ نسیم بانو‘‘ کے متعلق پڑھا۔ اس میں صاحب مکتوب نے ذیل کے دو سوالات آپ سے کیے ہیں:

۱۔ کیا نسیم بانو منٹو صاحب کی حقیقی بہن ہے؟

۲۔ کیا منٹو اس کے معاشقے پر روشنی ڈالنے کی قوت اور جسارت رکھتا ہے؟

یہ سوال چونکہ میری ذات سے متعلق ہیں اس لیے اجازت چاہتا ہوں کہ میں ہی ان کا جواب دوں۔

۱۔ نسیم بانو، میری حقیقی بہن نہیں ہے۔

۲۔ حقیقی بہنوں کے معاشقے ہوتے آئے ہیں — اُن پر روشنی ڈالنے کے لیے قوت اور

جسارت کی نہیں، قلب حقیقی کی ضرورت ہے۔

یا رب درونِ سینہ دل با خبر بدہ

(سعادت حسن منٹو)

....

(۷)

بنام مدیر ڈائریکٹر لاہور

جناب شباب صاحب!

مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میرا مضمون ''کے کے'' فلم آرٹ میں چھپ گیا حال آنکہ قتیل شفائی صاحب نے (جن کی معرفت سے) یہ مضمون فلم آرٹ کو بھیجا گیا تھا، مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ فلم آرٹ والوں کو اس مضمون کے چند حصّوں پر اعتراض ہے۔ میں نے قتیل شفائی صاحب سے عرض کیا تھا کہ میں اپنے مضمون کے کسی حصے کو حذف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ وہ مضمون مجھے قتیل شفائی صاحب نے واپس کر دیا جو میں نے ڈائریکٹر کو دے دیا۔ معذرت کی ضرورت تو پیدا نہیں ہوتی۔ بہر حال میں شرمسار ہوں کہ فلم آرٹ والوں نے مجھ سے اور آپ سے زیادتی کی ہے۔ میں آئندہ محتاط رہوں گا۔

خاکسار

سعادت حسن منٹو

۲۵ اکتوبر ۵۲ء

....

(۸)

بنام مدیر ڈائریکٹر لاہور

شباب صاحب!

السلام علیکم! آپ نے سالنامے کے دو پرچے عنایت فرمائے اس کا بہت بہت شکریہ۔ میں

آپ کو اور چوہدری صاحب کو اس مہنگائی کے زمانے میں اتنا ضخیم وجیم پرچہ نکالنے پر خود دفتر میں مبارک باد دینے آتا مگر مجبور تھا، کئی دن سے مجھے علالت نے صوفے اور چارپائی کے ساتھ چپیک رکھا ہے۔ سالنامہ ڈائریکٹر صوری اور معنوی اعتبار سے آپ کا شاہکار ہے۔ میں چونکہ بیمار تھا اس لیے لکھنے کا کام بند تھا، اس دوران میں پڑھائی ہوتی رہی چنانچہ میں آپ کا سالنامہ سارے کا سارا نگل گیا۔ مضامین کا انتخاب بہت عمدہ ہے، احمد ندیم قاسمی صاحب، شوکت تھانوی صاحب، مجید لاہوری صاحب، حکیم احمد شجاع صاحب، عشرت رحمانی صاحب کے مضامین بہت پسند آئے۔ نظموں کا حصہ بھی کافی حد تک معیاری ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی دوسرے فلمی پرچے میں اتنے شستہ مضامین کا اجتماع کبھی نہیں ہوا۔ سرورق ماشاء اللہ بہت دیدہ زیب اور خوبصورت ہے۔ اتنا خوبصورت کہ قارئین یقیناً اسے اتار کر فریم کرائیں گے۔ اپنے خصوصی آرٹسٹ مسٹر مصطفیٰ سے میرا سلام کہیے۔

اب کی سارا پرچہ اور وہ بھی اتنا ضخیم، آفسٹ پراسس کے ذریعے سے چھپا ہے یہ بھی ایک کارنامہ ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ پاکستان اس ذریعۂ طباعت سے قطعاً ناواقف ہے لیکن آپ کے سالنامے کی طباعت دیکھ کر امید بندھ گئی ہے کہ یہاں یہ فن بہت جلد کافی ترقی کر جائے گا۔ جو بلاک تو آرٹ پیپر پر چھپے ہیں، بہت عمدہ اور واضح ہیں لیکن جو معمولی ٹیکنیکل پیپر پر چھپے ہیں بہت دھندلے ہیں جو نگاہوں کو کھٹکتے ہیں۔ میں آپ کو اور چوہدری فضل حق صاحب کو پھر ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ہاں وہ نسیم بانو کا خط بہت دلچسپ ہے۔ ان کو اگر آپ خط لکھیں تو میرا جوابی سلام پہنچا دیجیے گا۔

خاکسار

سعادت حسن منٹو

۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء

....

(۹)

بنام محمد حسن عسکری

31-Laxmi Mansion

Hall Road

Lahore

عسکری صاحب السلام علیکم!

میرے متعلق ایک کتاب بعنوان ناخن کا قرض مرتب کی جارہی ہے۔ اس کے لیے آپ کے مضمون کی ضرورت ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد روانہ فرما دیں گے۔

آپ میرے افسانوں کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں، اگر آپ اس میں میری شخصیت کو (جیسا بھی آپ سمجھے ہوں) شامل کر دیں اور ایک نئے مضمون کی شکل میں تبدیل کر دیں تو میں ممنون و متشکر ہوں گا۔

آپ کراچی ایسے گئے کہ وہیں کے ہو کے رہ گئے ۔ یہاں آنے کا کب ارادہ ہے؟

مجھے آپ کے مضمون کا بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔

صفیہ سلام عرض کرتی ہے ۔

آپ کا شادی کرنے کا کب ارادہ ہے؟

خاکسار

سعادت حسن منٹو

۱۹ مئی ۱۹۵۴ء

....

حواشی و حوالہ جات

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور۔

۱۔ ڈاکٹر علی ثنا بخاری کی مرتب کردہ ''منٹو کتابیات'' انگارے (ملتان) کے منٹو سیمی نار نمبر (دسمبر ۲۰۰۵ء) میں شامل ہے۔ اس کے صفحہ ۱۷۱ پر منٹو کے خطوط کی پہلی اشاعت، کتاب نما، راولپنڈی سے ۱۹۶۶ء میں بتائی گئی ہے جو درست نہیں ہے۔

۲۔ احمد ندیم قاسمی (مرتب)، منٹو کے خطوط (لاہور: کتاب نما، ۱۹۶۲ء)، ص ۳–۴۔

۳۔ احمد ندیم قاسمی (مرتب)، منٹو کے خطوط (راولپنڈی: کتاب نما، ۱۹۶۶ء)، ص ۷–۸۔

۴۔ احمد ندیم قاسمی (مرتب)، منٹو کے خطوط (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۔

۵۔ س ح م خط بنام ایڈیٹر، روز نامہ امروز لاہور (۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء)۔

۶۔ اس رسالے کے بارے میں تفصیلی مطالعے کے لیے راقم کا مضمون ملاحظہ کیجیے: ''منٹو اور حسن عسکری کا اُردو ادب''، مشمولہ سعادت حسن منٹو (پچاس برس بعد)، مرتبہ شمشیر حیدر، نوید الحسن (لاہور: شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۱۷۔۱۵۴۔

۷۔ چونکہ یہ خط رسالہ ساقی کے فروری ۴۳ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ جنوری ۱۹۴۳ء کا ہونا چاہیے۔

۸۔ اس خط پر گویا تاریخ درج نہیں تھی لیکن مرتب بوستان قلم نے ڈاکخانے کی مہر سے اس تاریخ کا تعین خود کیا تھا۔

۹۔ اس خط پر بھی تاریخ درج نہیں۔اخبار میں اس کا عنوان ''غلطی ہائے مضامین مت پوچھ'' ہے۔ روز نامہ امروز ۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو بالترتیب چراغ حسن حسرت، فیض احمد فیض اور محمد سرور کی ادارت میں جاری ہوا۔ منٹو کا یہ خط چوتھے شمارے میں ۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو شائع ہوا۔ اس خط میں روز نامہ امروز کے تین شمارے ملنے کا ذکر ہے۔ اس طرح اس خط کو ۶ مارچ کا محررہ ہونا چاہیے۔

۱۰۔ اس خط پر بھی تاریخ درج نہیں ہے۔ یہ ہفت روزہ علیگ علی گڑھ کے ۱۰ فروری ۱۹۵۷ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ ادارے کی طرف سے اس خط کے ساتھ درج ذیل نوٹ درج تھا:

منٹو — ایک ''نیم علیگی''

> ذیل میں منٹو کا ایک خط شائع کیا جا رہا ہے جو اس نے ڈاکٹر مختارالدین آرزو کو غالباً ستمبر ۵۰ء میں ایک مضمون کے تقاضے کے لیے لکھا تھا۔ منٹو — علی گڑھ میں ایس ایس ایسٹ میں رہا تھا۔ بعد میں خرابیِ صحت کی وجہ سے جلد ہی اسے واپس لوٹ جانا پڑا اور وہ نیم علیگی ہی رہ گیا۔ یہ وہ دور تھا جب وہ خود بھی صرف سعادت حسن تھا، منٹو نہ بن پایا تھا۔ اس زمانے میں اردو کے کئی ایک ادیب اور شاعر علی گڑھ میں مقیم تھے منٹو کی زبان سے ان کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ ہم آرزو صاحب کے مشکور ہیں کہ انھوں نے یہ خط اشاعت کے لیے مرحمت فرمایا۔

اردو ادب کا دوسرا شمارہ فروری ۱۹۵۰ء کے بعد شائع ہوا تھا اور اکتوبر ۱۹۵۰ء سے منٹو اردو ادب چھوڑ کر نگارش کی ادارت سنبھال چکے تھے۔ اس لیے اس خط کو زیادہ سے زیادہ ستمبر کا یا اس سے ذرا پہلے کا خیال کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ روزنامہ آفاق کے ۱۷ جولائی کے شمارے میں نسیم بانو کا خاکہ شائع ہوا تھا۔ قاضی بشیر محمود کا خط ۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء کے آفاق میں چھپا تھا۔ اس طرح منٹو کا زیرِنظر خط جس میں قاضی بشیر محمود کے سوالوں کا جواب ہے، اسی ۲۰ کو یا اس سے اگلے دن ۲۱ جولائی کو لکھا گیا ہوگا جو ۲۴ جولائی کے آفاق میں چھپا۔

مآخذ

روزنامہ آفاق لاہور (۱۷ جولائی ۱۹۵۱ء)۔

روزنامہ آفاق لاہور (۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء)۔

روزنامہ آفاق لاہور (۲۴ جولائی ۱۹۵۱ء)۔

روزنامہ امروزلاہور(۷ مارچ ۱۹۴۸ء)۔

روزنامہ امروز لاہور (۱۸ مارچ ۱۹۴۸ء)۔

خویشگی، محمد عبداللہ خاں (مرتب)۔ بوستان قلم خطوط کا مجموعہ۔ حصہ اول ۔کراچی،۱۹۶۲ء۔

ماہنامہ ڈائریکٹر لاہور (دسمبر۱۹۵۲ء)۔

ماہنامہ ڈائریکٹر لاہور (فروری۱۹۵۳ء)۔

ماہنامہ ساقی دہلی (فروری۱۹۴۳ء)۔

سعید، محمد۔ ’’منٹواورحسن عسکری کا اُردو ادب‘‘۔مشمولہ سعادت حسن منٹو (پچاس برس بعد)۔مرتبین شمشیر حیدر، نوید الحسن۔ لاہور: شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی،۲۰۰۵ء۔

ہفت روزہ علیگ علی گڑھ، خاص نمبر (۱۰ فروری ۱۹۵۷ء)۔

قاسمی، احمد ندیم (مرتب)۔ منٹو کے خطوط۔لاہور: کتاب نما،۱۹۶۲ء۔

__________۔ منٹو کے خطوط۔راولپنڈی: کتاب نما، ۱۹۶۶ء۔

__________۔ منٹو کے خطوط۔لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۱ء۔

مثنیٰ، محمد حسن، محمد حسن رابع (مرتبین)۔ عسکری کے نام نودریافت خطوط۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء۔